راہ و رسمِ منزل

(۲)

(سیّد اسعد گیلانی صاحب)

تحریکی جدوجہد اور مدت کار اسلامی تحریک میں ادائیگی فرض کا مسئلہ کامیاب نتائج کے مسئلہ سے زیادہ اہم ہے۔ بعض اوقات اسلامی تحریک کے مخالفین تحریک کے حلقۂ اثر میں کامیاب نتائج کے مسئلے چھیڑ دیتے ہیں اور کارکن ان لوگوں کی نیت پر غور کیے بغیر اخلاص کے ساتھ اس طرز پر بھی سوچنے لگتے ہیں کہ ایک طویل مدت سے تحریک چل رہی ہے لیکن حصول اقتدار یا قیام نظام اسلامی کی منزل ابھی دور نظر آتی ہے۔ پھر مثال کے طور پر ایسی جماعتوں کے نام پیش کیے جاتے ہیں جو بعد میں اٹھیں اور تھوڑے عرصے میں اپنی منزل یعنی اقتدار تک پہنچ گئیں۔ یہ مغالطہ تحریک کو سمجھے بغیر اسے ایک عام سیاسی جماعت خیال کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ دوسری سیاسی جماعتیں لوگوں کو ہر تدبیر اور ہر حربے سے کام لیتی ہیں۔ ہر مغالطے، دھوکے، جھوٹے وعدے، اور مبالغہ آمیز لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں۔ لیکن ایک اسلامی تحریک لوگوں کو قائل کر کے ہی شعوری طور پر اپنے ساتھ لے سکتی ہے۔ وہ نہ دھوکہ دے سکتی ہے اور نہ ان کی حیوانی خواہشات کو ابھار کر اور ان کا شعور معطل اور ماؤف کر کے اپنے جال میں پھانس سکتی ہے۔ وہ تو انہیں سمجھا کر پورے فہم اور شعور کے ساتھ ہی اپنے ساتھ ملا سکتی ہے۔ دھوکے سے آیا ہوا آدمی دھوکے کی قلعی کھل جانے کے بعد شدید غصّے کی حالت میں اتنی ہی تیزی سے واپس پلٹ جاتا ہے جس تیزی سے وہ آیا ہوتا ہے۔ لیکن قائل ہو کر شعور کے ساتھ آیا ہوا آدمی کبھی واپس نہیں پلٹتا اور ہر مشکل اور ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ مغالطوں جھوٹے وعدوں اور دھوکہ دہی سے کبھی اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام کے پاکیزہ مقاصد ناپاک ذرائع سے حاصل نہیں ہوتے۔

دوسرا پہلو کام کے نتیجے کا ہے۔ سیاسی جماعتیں مروجہ غالب باطل نظام کو قائم رکھ کر اس کی خدمت کے لیے میدان میں آتی ہیں اور ان سے صرف کام کرنے والے ہاتھ ہی بدلتے ہیں۔ جبکہ تحریک اسلامی اس نظام

کو ہمہ پہلو اکھاڑ او راو جبر کر ایک دوسرا صالح نظام لانے کی کوشش کر رہی ہوتی ہے۔ ان دونوں کاموں میں مدتِ کار کا بنیادی فرق ہے۔ ایک شخص تو ایک عمارت میں صرف چند دنوں کے لیے کمرہ کرائے پر لینا چاہتا ہے، لیکن دوسرا شخص اس عمارت کی جگہ نئی عمارت بنانا چاہتا ہے۔ دونوں کے کام کی مدت میں بھی لازماً فرق ہوگا اور ان کے کام کے نتائج بھی بہت مختلف ہوں گے۔

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ کامیابی کو مہینوں اور سالوں کے ساتھ نہیں بلکہ معاشرے میں کیے ہوئے کام کے نتائج کے ساتھ ناپا جائے گا۔ باطل پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے کسی تحریک کو معاشرے میں سے کتنی بڑی ٹیم فراہم ہوتی ہے، اور وہ ٹیم اخلاقی و ذہنی حیثیت سے کس صلاحیت کی ہے، اور وہ کن ذرائع و وسائل سے بہرہ ور ہے، یہ سب کچھ تبلیغی کام کے حقیقی نتائج اور افرادی قوت پر ہی منحصر ہے۔ مثلاً حضورؐ اکرم کو اپنے معاشرے میں سے کارکنوں کی اتنی تعداد مل گئی کہ وہ چودہ سال کی مدتِ تیاری گزارنے کے بعد باطل نظام پر کاری ضرب لگانے کے قابل ہو گئے۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام کو ۹۵۰ سال معاشرے میں کام کے باوجود بھی اتنی افرادی قوت نہ مل سکی کہ وہ نظام باطل پر آخری ضرب خود لگا سکتے اور اسلامی تحریک مطلوبہ صالح انقلاب خود برپا کر سکتی۔ چنانچہ ایسے متعفن بوسیدہ اور ناکارہ معاشرے کو قدرت نے خود آگے بڑھ کر غرقِ آب کر دیا۔ ایک باطل تحریک کے داعی مارکس نے ۱۸۴۹ء میں اشتراکی منشور پیش کیا اور اس کی تحریک بھی تحریک ۱۹۱۷ء میں پورے ۶۸ سال کے بعد اس قابل ہو سکی کہ معاشرے پر جبر و تشدد سے قبضہ کر سکے۔ اگرچہ اس کام کے لیے بھی اسے بہت سے اصول ترک کرنے پڑے۔ ان واقعات کی روشنی میں اجتماعی نفسیات سے آگاہ حقیقت پسند نظریہ نہیں دیکھتی کہ کس تحریک کی مدت کار کتنی ہے۔ بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ معاشرے میں سے افراد کار اسے کس تناسب سے ملے ہیں اور وہ تناسب نظامِ غالب پر ضرب لگانے کے لیے کافی ہے یا نہیں۔ اگر کارکنوں کی تعداد کافی ہے تو لازماً ایک انقلابی ضرب لگائی جائے گی اور اگر تعداد کافی نہیں ہے تو افراد کو چھانٹنے اور اپنے ساتھ ملاتے چلے جانے کے عمل کو مسلسل اور پیہم جاری رکھا جائے گا تا آنکہ معاشرے کے تناسب سے انقلابی کارکنوں کی تعداد کافی ہو جائے۔

تحریک میں رہبری اور رہنمائی کا نظام تحریکوں میں رہنمائی کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہوتا ہے اور اگر کسی تحریک کو حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہونا پڑے اور منزل کی مسافت لمبی نظر آئے تو بعض اوقات تھکے ہوئے کارکن یا پرجوش انقلابی ساتھی تحریک کی قیادت کے بارے میں نا اہلی سست روی اور حکمتِ کار سے عدم واقفیت اور نا اہلیت

کے وسوسے میں مبتلا ہونے لگتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا ایک پہلو ہے۔ اس کے متعدد اسباب میں سے ایک اہم سبب تحریک کی بنیادی فکر سے عدم مطابقت اور اس کے نظریاتی اور صفاتی پہلوؤں سے بے خبری بھی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر نظریاتی تحریک کی قیادت ہی اس نظریہ کی فکری اور عملی لحاظ سے سب سے بڑی علم بردار ہوتی ہے اور وہ اس نظریے کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ نظریاتی تحریک کی قیادت کے لیے صرف جوش و جذبہ اور صرف جسمانی قوت و توانائی ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ ایسی ہر صفت سے زیادہ اہم صفت اس نظریے کی فکری بنیاد پر گہری نظر، اپنے نصب العین کے لیے ایثار و قربانی کا وسیع ریکارڈ اور اپنی تحریک کے مزاج و کردار سے مکمل مطابقت اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ جس طرح اسلامی فوج کے لیے ایک معمولی سپاہی بھی مخصوص عقائد و عمل کا حامل مجاہد ہوتا ہے اسی طرح ایک اسلامی تحریک کا قائد بھی اس سے ہزار گنا زیادہ مخصوص نظریاتی صفات میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ مثلاً دور حاضر کی اسلامی تحریک نے اپنے قائدین کے لیے مندرجہ ذیل اوصاف کو لازمی معیار قرار دیا ہے۔

۱۔ وہ نہ امارت کا خود امیدوار ہو اور نہ اس سے کوئی ایسی بات ظہور میں آئی ہو جو یہ پتہ دیتی ہو کہ وہ امارت کا خود خواہشمند ہے یا اس کے لیے کوشاں ہے۔

۲۔ ارکان جماعت اس کے تقویٰ، علم کتاب و سنت، امانت و دیانت، دینی بصیرت، تحریک اسلامی کے فہم، اصابت رائے، تدبر، قوت فیصلہ، راہ خدا میں ثبات و استقامت اور نظم جماعت کو چلانے کی اہلیت پر اعتماد رکھتے ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان اوصاف کا تعلق کسی شخص کی عمر، امارت، نسب یا خاندانی وجاہت سے نہیں ہے۔

ایک نظریاتی اسلامی تحریک تو اپنے لیے معیاری کارکن بھی برس ہا برس کی مسلسل تربیت کے بعد ہی تیار کرتی ہے۔ تحریک کے نصب العین سے آگاہی کا تفصیلی علم، اسلام کے عائد کردہ فرائض کی پابندی اور منکرات سے اجتناب کا تدریجی عمل، چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو انفرادی اور اجتماعی کوشش سے دور کرنے کی پیہم کوشش، تحریک کے داخلی ماحول اور حقیقی مسائل پر تحریکی زاویہ نگاہ بنانے کا فہم و شعور اور وجدان، یہاں تک کہ کتابوں سے گزر کر خود ایک بدلتی ہوئی کتاب بن جانے کا عمل اور تحریک کی چلتی پھرتی نشانی اور علامت بن جانے کا کام۔ یہ مراحل چند دنوں میں تو طے نہیں ہو جاتے۔ اس کے لیے وقت لگتا ہے اور جس طرح انسان کا

تجربہ سونے کی طرح قیمتی ہوتا ہے اسی طرح ہر تحریک میں باشعور پرانا آدمی سونے سے بڑھ کر قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے ایسے لوگوں کے لیے سابقون الاوّلون کی اصطلاح استعمال کی ہے اور خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال تو یہ تھا کہ وہ عرب کے بڑے بڑے نومسلم سرداروں کی نسبت تحریک کے پرانے غریب کارکنوں پر زیادہ توجہ صرف کیا کرتے تھے اور سرداروں سے کہتے تھے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے تو ان لوگوں نے حضورؐ کا ساتھ دیا تھا۔ یہی ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

چاروں خلفائے راشدین پر نگاہ ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے کہ جس درجے میں وہ تحریک کے اندر پرانے، جہاندیدہ، ہر آزمائش میں آزمودہ اور ہر ایثار و قربانی پیش کیے ہوئے ہوتے تھے اسی درجے میں وہ تحریک کے اندر آگے کی صفوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ نظریاتی تحریک کی قیادت کسی سیاسی جماعت کی صدارت کی مانند نہیں ہوتی کہ اب فلاں ابن فلاں کو بھی موقع دیا جائے چونکہ وہ پرجوش تقریر کرتا ہے۔ پرجوش تقریر ممکن ہے کہ کسی درجے میں قیادت کی ایک صفت قرار دے لی جائے۔ لیکن اسلامی قیادت کے لیے صبر و حکمت، تدبر، دانائی، فہم و فراست، ایثار و قربانی، زندگی کی ساری متاع کو اس راہ میں لٹا دینے کا داعیہ اور جذبہ اور بے غرضی و بے لوثی و بے غرضی کی دوسری صفات بھی اعلیٰ درجے میں مطلوب ہوتی ہیں۔ نظریاتی تحریکوں کی قیادت ہمیشہ نظریے کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایثار پیشہ لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ دورِ انبیاء کے بعد ہر اسلامی تحریک کے قائد غیر معصوم نیک لوگ ہی ہوں گے اور ان سے کوتاہیاں بھی ہوں گی، اس لیے کہ کامل قیادت تو سوائے حضورؐ اکرم کے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص بھی غلطیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ اس لیے اسلام کا شورائی نظام انفرادی رائے کی کمزوریوں کو رفع کر دیتا ہے اور قائدین میں بھی جن صفات کی کمی ہوتی ہے کارکن اپنی ان صلاحیتوں کی پیشکش کر کے قیادت کی ان خامیوں کو دور کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ بنیانِ مرصوص وجود میں آتی ہے جس میں ہر اینٹ دوسری کو سہارا دے رہی ہوتی ہے۔

نظریاتی قیادت کسی با مقصد گروہ کی اجتماعی جدوجہد کی سربراہی کا عمل ہوتا ہے۔ یہاں وہی شخص کام دے سکتا ہے جو سوچ بچار کے لیے دماغ رکھے، راہ و رسم منزل سے آگاہ ہو، اپنے نظریے کو اپنے رگ و پے میں سموئے ہوئے ہو، عمل و کردار میں آزمودہ و پختہ کار اور ایثار و قربانی کا مجسمہ ہو اور اس کی دیانت و امانت مسلمہ ہو۔ یہ صرف جسمانی توانائی اور جوش و جذبہ کا کام نہیں ہے۔ یہ ذہنی اور فکری توانائی، کردار کی مضبوطی،

عمل کی پختگی، نظر کی وسعت، دور اندیشی اور عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر مستقبل کے اندھیرے کی طرف بصیرت کی روشنی میں اس طرح آگے بڑھنے کا کام ہے کہ نہ کسی چٹان سے ٹھوکر کھائے، نہ کسی کھائی میں گرے، نہ کسی جانگاہ حادثے سے آسانی سے دوچار ہو، اور قافلے کو صحیح و سلامت لے کر منزل کی طرف آگے ہی آگے بڑھنے کا عمل بتدریج جاری رکھے۔ کسی نظریاتی جماعت کی قیادت مضبوط گلے، بلند بانگ نعرے اور جوش و خروش کی تقریر و تحریر سے عبارت نہیں ہوتی، بلکہ یہ فکر و کردار کی مضبوطی ایثار و قربانی کی وافر مقدار اور صبر و حکمت اور فہم و فراست سے عبارت ہوتی ہے۔

انقلاب قیادت کا عمل اسلامی تحریک ہمہ پہلو ایک انقلابی اور عملی تحریک اس وقت بنتی ہے جب وہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے جمع کی ہوئی افرادی قوت کو نظام کی تبدیلی کے لیے استعمال کرتی ہے اور نظام حکومت کو صالح بنانے کی عملی جدوجہد کرتی ہے۔ یہ اقدام معمولی بات نہیں ہے کہ افرادی قوت کو باطل کے آخری قلعے پر بھرپور ضرب لگانے کے لیے استعمال کیا جائے تاکہ اہل باطل کو یہ گمان باقی نہ رہے کہ تحریک اسلامی محض مبلغین کا کوئی گروہ ہے، بلکہ یہ بات کھل کر اس کے سامنے آجائے کہ یہ تحریک سرفروش مجاہدین فی سبیل اللہ کا دستہ ہے، اور اس کا عزم و ارادہ باطل کو زندگی کے ہر گوشے سے بے دخل کر کے اسلام کو زندگی کے ہر زاویے پر حاوی کرنا ہے۔

باطل کے آخری قلعے پر حملے کا کام کسی نام نہاد مسلم معاشرے کے قائم کردہ جمہوری نظام میں تو لازماً جمہوری طریقے پر ہوگا اور وہ معاشرے کو بتدریج اسلامی بنانے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ انجام پائے گا۔ دوسری صورتوں میں ملک قوم اور نظام مملکت کے لحاظ سے جس جس نوعیت کے حالات ہوں گے اسی کے مطابق تحریک کی اجتماعی مشاورت اپنا طریق کار طے کرے گی۔ انقلاب قیادت، یا دوسرے لفظوں میں نیک لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت منتقل کرنے کے اہم ترین کام میں ظاہر ہے کہ جمہوری اور افرادی قوت کا استعمال ناگزیر ہوگا۔ اسلامی نظام کے قیام سے بڑھ کر تختۂ زمین پر اور کوئی بڑا نیکی کا کام نہیں ہے اور یہ عظیم ترین نیکی سرانجام دینے کے لیے اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے زندگی کا ہر وسیلہ استعمال کرنا لازم بھی ہوگا اور برحق بھی۔

نیک لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور کا آجانا اسلامی انقلاب کے سارے عمل کا اہم ترین اور موثر ترین حصہ ہے اس لیے باطل کو ہٹا کر نظام حق سے بدل دینے کا سارا کام نیک لوگوں کے ذریعے

ہی انجام پا سکتا ہے۔ مسلمان معاشرے، اور مسلمان قوموں کے ملکوں کی اخلاقی، معاشی، سماجی اور سیاسی تباہی کی تمام تر ذمہ داری ان ہم جو فاسق و فاجر، دھوکے باز، نعرہ باز، فریب کار، اور بدکردار حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے جو خلافت راشدہ کے بعد بالعموم مسلمانوں پر جبر و تشدد سے مسلط ہوتے رہے ہیں، اور جس طرح باپ سے بیٹے کو جاگیر اور بھیڑوں کا گلہ وراثت میں منتقل ہو جاتا ہے اسی طرح شاہی گھرانے میں پیدا ہونے کے خوشگوار حادثے کے نتیجے میں بادشاہ باپ سے ولی عہد بیٹا ملک اور قوم کو وراثتاً حاصل کرتا رہا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ حضورؐ اکرم کی عظیم اسلامی تحریک کی جانگسل جدوجہد کے نتیجے میں جو اسلامی انقلاب عرب میں رونما ہوا اُس کی روشنی سارے عالم میں دکھائی دی۔ اس انقلاب نے بدترین رواجی قوانین کی جگہ اسلامی قوانین کا اجرا کیا، بدترین معاشرے کی اصلاح کر کے اسے دنیا کا اعلیٰ ترین مہذب اور بااخلاق معاشرہ بنا دیا جس کے مجرم بھی خود قاضیوں کے پاس جا کر اعترافِ جرم کرتے تھے تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکیں، بدکردار لوگوں کی جگہ قوم میں سے بہترین نیک نفس خداترس اور شریف لوگوں کو ابھار کر وہ سربراہی کے مقام پر لے آیا جن کا نام اُس نے خلفائے راشدین (ہدایت یافتہ رہنما) رکھا اور سیاسی مملکتوں کی تاریخ میں پہلی بار "نیک حکمران کا انقلابی نظریہ" پیش کر کے دنیائے سیاست میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا اور آئندہ کے لیے بھی یہ شرط لگا دی کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ مسلمانوں میں نیک لوگ ہی رہنما ہوا کریں۔ بدکردار لوگوں کے لیے مسلمان معاشرے میں رہنمائی کا مقام نہیں بلکہ ذلت و رسوائی اور خجالت و شرمندگی کا مقام ہے۔ آج تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ زوال کی ابتدا میں مسلمانوں میں سب سے پہلے نیک لوگوں کے ہاتھ سے قوم کی سربراہی نکلی۔ پھر اسی کے نتیجے میں معاشرے کا اخلاق تباہ ہوا اور اس کے بعد تبدریج اسلامی قوانین بھی معطل ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ باطل طاغوتی قوانین کا اجرا ہوتا چلا گیا۔ اس امر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بگاڑ کی اصل جڑ نیک لوگوں کے ہاتھ سے حکومت کا چلا جانا ہے اور جب ایک بار یہ تبدیلی واقع ہو جائے تو پھر مسلمان قوم کو تباہی و بربادی ذلت و رسوائی اور شکست و غلامی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری تمام تر ذلت و رسوائی اور انحطاط و زوال کا باعث نیک لوگوں کی بجائے بُرے لوگوں کے ہاتھ میں مسلمانوں کی حکومت کا منتقل ہو جانا ہے۔ اس لیے اس بنیادی خرابی کو قائم رکھتے ہوئے کوئی مادی ترقی، کوئی صنعتی تبدیلی، کوئی اعلیٰ تعلیم اور کوئی سائنسی ترقی کام نہیں دے سکتی۔ اس خرابی کے ساتھ مسلمان زوال کے گڑھے میں نیچے ہی نیچے اترتے چلے جائیں گے اور ہمیں آخری تباہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس لیے کہ جس کسی کو تے

کی رہنمائی میں سفر کرنا پڑے وہ کوڑے اور غلاظت کے ڈھیر تک پہنچ کر رہتا ہے۔

میرے خیال میں اسلامی انقلاب کے لیے بنیادی اہمیت کی بات حکومت پر صاحب نظریہ صاحب کردار اور اسلام کو زندگی کا مشن بنا کر کام کرنے والے مخلص اور نیک لوگوں کا قبضہ ہے۔ بس اسلامی انقلاب کی ابتدا بھی ہے۔ صرف اسی طریقے سے معاشرہ حقیقی اسلامی تغیر سے دوچار ہو سکتا ہے۔ بُرے لوگوں کی جگہ نیک لوگوں کو لانے کا کام اصل اسلامی انقلاب کی طرف سب سے عظیم اقدام ہے۔ اس کام کے لیے حالات کے مطابق دونوں راستے ممکن ہیں۔ جمہوری طریقہ بھی اور انقلابی بھی۔ جو تحریک بھی ان دونوں میں سے کسی ایک راستے پر کام کرے اسے بہر حال مختلف مدارج میں سے گزرنا ہوگا: تبلیغ، تنظیم، توسیع اور اقدام۔ اقدام بھی ایک ہی قسم کا نہ ہوگا۔ یہ کام جمہوری جدوجہد میں انتخابات اور عوامی تائید کے ذریعے بھی ہوگا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی تحریک کے طریقے پر کام کرتے ہوئے عوامی تائید اور اسلامی قوت سے ہوگا۔ ظاہر ہے کہ طریق کار نوقوم، اس کے نظام مملکت اور سیاسی حالات کی نسبت سے ہی اختیار کیا جائے گا۔

انقلابی قیادت کے راست اقدام سے مراد کسی باطل نظام کی تبدیلی کے لیے آخری مرحلے کی لڑائی کے میدان میں داخل ہونا ہے جہاں سے مخالف نظام کی آخری پناہ گاہ زد زمین آجاتی ہے۔ اس کے لیے طریقہ بہر حال قوت کے استعمال کا ہی ہوگا، چاہے وہ عوامی تائید کی جمہوری قوت ہو یا جانگسل کشمکش کی انقلابی قوت۔

سوشلسٹوں کے طریقے پر خونی انقلاب لانے اور معاشرے کو خانہ جنگی میں جھونک دینے کے لیے سیاست کے اسلامی آداب جدوجہد میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فتنہ و فساد، معاشرے کی تباہی، اصلاح سے بڑھ کر بگاڑ اور نیکی اور بھلائی سے بڑھ کر برائی کا پھیل جانا کبھی بھی اسلامی تحریک کو منظور نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس طرح تو شیطان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اسلام میں قوت کے استعمال پر سخت شرائط اور پابندیاں ہیں۔ ظالم اور جابر لوگ تو اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے زبان، علاقہ، مفاد اور نسل کے جھگڑے کھڑے کر کے ہزاروں کو قتل کروا سکتے ہیں اور ان کی لاشوں پر اپنی فتح کے شادیانے بھی بجا سکتے ہیں۔ لیکن ایک مصلح تحریک یہ کام کیسے کر سکتی ہے جسے معلوم ہے کہ ایک مسلمان کا خونِ ناحق بھی ساری خلقت کو ناحق قتل کر دینے کے مترادف ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ ظاہر ہے کہ سلامتی اور رحمت کے دین اسلام کو اس لیے نہیں بھیجا گیا ہے۔ وہ تو خلقِ خدا کی عزت و آبرو اور جان و مال کا محافظ

دین ہے۔

حضورؐ اکرم ۱۲ سال تک مکے میں زبردست آزمائشوں میں سے گزرتے اور مصائب جھیلتے رہے۔ ان کے ساتھ بڑے بڑے خیبر شکن لوگ تھے لیکن چونکہ تلوار کی قوت کے استعمال کا حکم نہ آیا تھا اس لیے ظلم و ستم سہتے، صبر و شکر کرتے اور آزمائش کی بھٹی سے گزر کر کندن بنتے رہے۔ البتہ جب سرحد پار کر کے مدینے چلے گئے اور نقل مکانی نے ایک اسلامی ریاست قائم کر کے ظلم سہنے کے زمانے اور ظلم کا جواب قوت سے دینے کے دور کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی تو پھر معرکۂ بدر ہی برپا ہوا۔

معرکۂ بدر میں تناسبِ قوت ایک خاص انداز کا تھا جو استعمالِ قوت کے ذریعے انقلابی جدوجہد کرنے والوں کے لیے نہایت غور طلب مسئلہ ہے۔ قرآن نے اجازت دی کہ تم کو کفار سے لڑنے کے بڑے ارمان تھے تو لو اب اجازت ہے کہ اللہ کی راہ میں جانیں ہتھیلی پر رکھ کر نکلو۔ پھر یہ بھی بتایا کہ اگر تم اعلیٰ صفتِ ایمان سے موصوف اور اعلیٰ مقامِ ایمان پر فائز ہو گئے تو ایک ایک مومن کے مقابلے میں دس دس کافر بھی شکست کھا جائیں گے ورنہ دوسری صورت میں ایک ایک مومن دو دو کافروں پر بھاری ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ..... (انفال-۶۵)

اگر تم میں سے دس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔

لیکن اگر تم میں کمزوری پائی گئی تو:

فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ..... (انفال ۶۶)

"پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے"

بدر کی لڑائی چونکہ اسلام و کفر کے مقابلہ کی پہلی لڑائی تھی اس لیے حضورؐ اکرم اپنا لشکر لے کر جب میدان جہاد میں تشریف لائے تو تناسب ایک اور تین کا تھا۔ یعنی اعلیٰ سے کم اور ادنیٰ سے زیادہ۔ اُس وقت یہی کچھ میسر بھی تھا اور اللہ نے فتح و نصرت دے کر اس تناسب پر بھی اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس کے بعد بھی اپنی پوری تاریخ میں مسلمان اسلامی نظام کی توسیع کے لیے جب کبھی کفار سے برسر پیکار ہوئے ان کا تناسبِ تعداد کفار سے ہمیشہ کم ہی رہا۔ حضورؐ کا پہلی بار مقرر کردہ تناسب ایک اور تین کا ہے۔ یہ ایک عمدہ معیارِ تعداد ہے جو کسی بعد میں آنے والی اسلامی تحریک کے لیے نمونہ بن سکتا ہے۔ اس تناسب سے ابھی افرادی طاقت کم ہو تو اسے تبلیغ کے ذرائع سے اسے بڑھاتے رہنے پر ساری قوتیں، توانائیاں، جوانیاں اور

جوش و خروش استعمال کرنا چاہیے اور روابطہ عالم کے ذریعے خلقِ خدا تک اپنی دعوت کو پہنچانے کا کام برابر جاری رکھنا چاہیے۔ یعنی ابھی لوہا اتنا گرم نہیں ہوا کہ اس پر نتیجہ خیز ضرب لگائی جا سکے۔ اور ٹھنڈے لوہے پر ضربیں لگانے سے پریشانی اور ضیاعِ قوت تو ہوتا ہے لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ کے مطابق اللہ کی پارٹی ہی غالب آنے والی ہے لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں جنھیں پورا کیے بغیر اسلامی تحریک کبھی اپنی قوتِ مزاحمت کا استعمال نہیں کر سکتی۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ قوت مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ خانہ جنگی مسلمانوں کی دنیوی تباہی اور آخرت کی بربادی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف یہ قوت استعمال کی جا سکتی ہے ان کے خلاف بھی پہلے مناسب اور موثر تیاری خود قرآن کے حکم کی رو سے کرنا نہایت ضروری ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ ..... (الانفال ۸:۶۰)

اور جہاں تک تمھارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو .....

ظاہر ہے کہ تیاری اور قوت کی فراہمی اور اس کے استعمال کے تین مدارج ہیں۔

(۱) عقیدہ و ایمان کی قوت۔ (۲) وحدت و اتحاد و ارتباط و تنظیم کی قوت۔ (۳) زورِ بازو اور اسلحہ کی قوت۔

جب تک ان تینوں قوتوں سے درجہ بدرجہ کوئی اسلامی تحریک اس طرح تیار نہ ہو جس طرح تیار ہونے کا حق ہے اس کے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ قوتِ بازو کا استعمال کر کے اپنے اور دوسروں کے لیے تباہی اور مصیبت کا باعث بنے۔ استعمالِ قوت کے لیے وصفِ قوت سے آراستہ اور متصف ہونا بھی ضروری شرط ہے۔ ورنہ پھر یہ ہلاکت کا گڑھا اور دنیا و آخرت کی رسوائی ہے۔ تحریکِ اسلامی کا کام حکمت و دانائی کا کام ہے خالی خولی اندھی نعرے بازی اور سر پھوڑنے کا کام نہیں ہے۔ نتائج کا تخمینہ اور جائزہ

لیے بغیر قوت کا استعمال ایسی ہلاکت ہے جس کا اسلامی تحریک کے طریقِ کار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مار دھاڑ لوٹ کھسوٹ، تباہی و بربادی، گھیراؤ جلاؤ جیسے حربوں سے تحریک اسلامی بھی اگر کام لے تو وہ تحریک اسلامی نہیں ہے۔ اور ان تدابیر کے ذریعے اگر وہ کوئی انقلاب بھی لے آئے تو وہ انقلاب اسلامی نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں ہے:

جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ جس نے اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھی، امام کے حکم کی پیروی کی، پاکیزہ مال خرچ کیا، ساتھی کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، فساد سے پرہیز کیا، تو اس کا سونا اور جاگنا سب کا سب اس کے لیے اجر قرار پائے گا۔ لیکن جس نے محض فخر اور دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے جنگ کی امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد برپا کیا تو اس کے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔

غرض اہل باطل کے خلاف فولادی قوت کا استعمال کرنے کے لیے تحریک اسلامی پر کچھ پابندیاں ہیں اور وہ پابندیاں بعض شرائط پوری کرنے سے ہی اٹھ سکتی ہیں۔ مکہ میں حالتِ ضعف میں تیرہ سال تک جنگ نہ کرنے اور مکہ سے نکل آنے اور اپنی مضبوط بنیاد بنا لینے کے بعد جنگ کرنے کی اجازت مل جانے سے بعض شرائط خود بخود سامنے آجاتی ہیں جن کا تذکرہ ضروری ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف راست اقدام یا مطالبہ جہاد کرنے والوں کے مفہوم میں اعلانِ جہاد کیا جائے ان پر پہلے اتمام حجت کی حد تک تبلیغ کا حق ادا ہونا ضروری ہے۔ اس درجہ تبلیغ کے بغیر کسی قوم یا حکومت کے خلاف براہ راست دعوت مبارزت درست نہیں ہے۔ البتہ مدافعت کے لیے جنگ ہو سکتی ہے۔ اور خلق خدا پر تبلیغ کے راستے کھولنے کے لیے بھی کافر جباروں کا شکنجہ توڑنے کے لیے جنگ ہو سکتی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اسلامی نظام کے لیے جنگ نیک اور صالح گروہ کے ذریعے سے کی جائے اور اس کی رہنمائی بھی نیک اور صالح افراد ہی کریں۔ اُن لوگوں کا فلاح انسانیت کے علم بردار اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جہاد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا جو خود فساد برپا کرنے والے اور اخلاقی حدود سے بے نیاز اور فتنوں میں ملوث اور آلودہ ہوں۔ یہ تو اسلامی نظام کی فطرت کا ہی تقاضا ہے کہ اس کے برپا کرنے کی جنگ صرف اس کے مخلص معتقد اور وفادار پیروکاروں کے ذریعے ہی لڑی جائے جن کے سامنے رضائے الٰہی کے حصول اور اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے سوا اور دوسری کوئی غرض نہ ہو، نہ دنیوی مفاد، نہ عہدے

نہ دولت نہ عزت و جاہ اور نہ کوئی اور غرض، اور حد یہ ہے کہ کسی خاص فرد کی شخصی عداوت بھی نہیں۔ وہ اللہ ہی کے لیے بغض اور اسی کے لیے محبت کا نمونہ ہوں۔ اس لیے جو لوگ اسلام کے لیے جنگ کرنا چاہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس سے جنگ کر کے اسے اسلام کا تابع بنائیں پھر اسلامی مقصد کے لیے جنگ یعنی راست اقدام کا نام لیں۔

تمام انبیاء نے اپنے سارے جہاد مومنین کے ذریعے کیے اور حضورؐ کے سامنے کفار قریش نے اقتدار کی جو پیشکش کی اسے حضورؐ نے مسترد کر دیا۔ چنانچہ جن صالحین کے ذریعے اللہ تعالیٰ تحریک اسلامی کی طرف اقتدار منتقل کرتا ہے ان کی تربیت کے لیے انہیں ان مراحل میں سے ضرور گزارتا ہے جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ۔ (البقرہ-۱۵۵)	اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں انہیں خوشخبری دے دو"

تیسری شرط یہ ہے کہ جنگ ایک با اختیار اور با اقتدار امیر کی قیادت میں لڑی جائے، یعنی ایسا امیر جو اپنی جماعت پر بزور قوت شریعت کے احکام نافذ کرنے کی پوزیشن میں ہو اور وہ خود بھی خدا کے سوا کسی دوسرے بالاتر اقتدار کا محکوم نہ ہو۔ اس لیے حضرت سید احمد شہیدؒ نے جب جہاد کرنے کا فیصلہ کیا تو انگریز کے علاقے سے ہجرت کر کے سرحد کے آزاد علاقے میں تشریف لے گئے جہاں وہ پوری طرح ہر اقدام کرنے کے لیے آزاد تھے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انارکی نہ پھیلے اور جنگ کرنے والی جماعت فتنہ و فساد برپا کرنے کے جرم میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحریک اسلامی کے علمبردار اہل حق کے لیے لازم ہے کہ وہ معاشرے کے وسیع میدان میں اپنے افکار کے بیج بوتے چلے جائیں اور اپنی تبلیغی جدوجہد سے قوم کے اندر سے سعید روحوں کو چھانٹ چھانٹ کر اپنے ساتھ ملاتے چلے جائیں۔ اگر ان کی تعداد کافی ہو جائے جو میرے نزدیک جمہوری جدوجہد میں جمہوری اداروں کے اندر ایک تہائی ہے تو وہ ایک مضبوط نظریاتی گروہ کی حیثیت سے

قوت کے ساتھ اپنا مطلوبہ نظام نافذ کر سکیں گے۔ اگر جمہوری معاشرہ نہ ہو اور قوم کی ایک تہائی تعداد ان کے ساتھ مل جائے تو بھی وہ عوامی قوت سے نظام اسلامی کا اجرا کر لیں گے۔ لیکن اگر اتمام حجت کی حد تک کام کر لینے کے باوجود قوم سیدھے راستے پر نہ آئے اور اس قوم میں سے قابل ذکر تعداد صالحین کی برآمد نہ ہو اور مزید صالح افراد کا نکلنا بھی بند ہو جائے تو پھر بہتر ہے کہ ایسی قوم میں سے صالح افراد ہجرت کر جائیں۔ اس لیے کہ اب وہ قوم کوئلوں کا انبار ہے جو خدائی عذاب کی بھٹی سلگنے کے ساتھ ہی بھڑک اٹھے گا اور جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔ لیکن اگر ایسا مرحلہ نہیں ہے، بلکہ صالح افراد تیار ہو رہے ہیں، قوم کے اندر ابھی صالحیت اور نیکی کی قدر موجود ہے، اور تبلیغی کام کے نتیجہ خیز امکانات موجود ہیں، صالح افراد کی بازیافت جاری ہے تو پھر اسلامی تحریک کو افرادی قوت میں مسلسل اور تدریجی اضافے کے لیے مسلسل صبر آزما کام کرنا ہوگا۔ جو شخص کچے پھل توڑتا ہے اس کے دامن میں تلخی اور نقصان کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ اسلامی تحریک کا جو کارکن اپنے حصے کا تبلیغی اور رابطہ عوام کا صبر آزما کام کرنے سے جی چراتا ہے اور کردار سازی کی طرف توجہ دینے، تحریک کی دعوت پھیلانے، لوگوں کے اعتراضات اور سوالات کے جوابات دینے، اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکالنے، اور اپنے آرام کو تج کر تبلیغی ریاضت برداشت کرنے سے جی چراتا ہے، لیکن صرف تشدد آمیز الفاظ، اشتعال انگیز نعرے اور جلسوں اور جلوسوں سے ہی کام نکالنا چاہتا ہے، وہ ابھی تحریک اسلامی کو نہیں سمجھا ہے اور اس کا باشعور کارکن بھی نہیں بن سکا ہے۔ اس کو دعوت دین کا کام سمجھایا اور سکھایا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی تجویزیں اور تدبیریں تحریک کے لیے صحیح رہنمائی فراہم نہیں کر سکتیں۔

جو لوگ اسلامی تحریک کا کام کرنے کے لیے مردانہ وار آگے آئیں ان پر یہ بات تو واضح رہنی چاہیے کہ اسلامی تحریک کے ساتھ مالک کائنات کے خاص الخاص وعدے ہیں۔ البتہ پہلے ان وعدوں کا مصداق اور مستحق بننا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء ۔ ۱۰۵) "ہم نے زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے"

أَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۳۹) "تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"

مہربان مالک نے تو اس سے بھی کہیں آگے بڑھ کر بہت واضح انداز میں مومنین کے ساتھ ان الفاظ میں سورہ نور کے اندر مزید پختہ وعدہ کیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (النور - ۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب وعدے شعوری ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں اور ان شرائط کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

کے ہفتہ وار دروسِ حدیث پہلی مرتبہ کتابی شکل میں

مشکوٰۃ المصابیح

میں سے ۱۴۷ احادیث کی بصیرت افروز تشریحات کا مرقع

کتاب الصوم

مرتبہ: حفیظ الرحمٰن احسن

ہدیہ: ۶۵۰ ۸ روپے طباعت آفسیٹ

مکتبہ آئین ریلوے روڈ، لاہور